ہیومن اِزم اور ہیومن رائٹس

مولانا محمد احمد حافظ
مدیر ماہنامہ وفاق

ملحدانہ افکار کا ایک طائرانہ مطالعہ

(قسط:۱)

پاکستان اس وقت بھیانک معاشرتی اور نظاماتی تبدیلیوں کے دوراہے پر کھڑا ہے، فکر ونظر میں تبدیلی کی کوشش کی جارہی ہے، اسلامی اقدار اور روایات کو مسمار کرنے کی مذموم مہم چلائی جارہی ہے، نوجوانوں کو دین سے برگشتہ اور اِلحادی نظریات سے متاثر ہونے کا ماحول دیا جارہا ہے، ریاستی سطح پر ایسے قوانین رائج کیے جارہے ہیں جو ہمارے معاشرے کی ساخت کو تبدیل کررہے ہیں۔ ''ٹرانس جینڈر ایکٹ'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تبدیلی کا یہ عمل عین سترہویں صدی کے یورپ سے مماثلت رکھتا ہے، جب وہاں اِلحادی نظریات کا منہ زور سیلاب آیا ہوا تھا اور یورپی معاشرہ مادر پدر آزاد تہذیب کے سیلاب میں بہے جارہا تھا۔

اس تحریر میں یہ بات جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ یورپ کا عیسائی معاشرہ اور خود عیسائیت ملحدانہ نظریات کا شکار ہوکر کیوں تباہ ہوئی؟ آج مغربی معاشرے کی جو ساخت ہے، اس کے پس منظر میں کیا فکر وفلسفہ کارفرما ہے؟ اور کس طرح یہ جاہلیتِ جدیدہ عالمِ اسلام کو متاثر اور مسلم معاشروں کی تخریب کررہی ہے؟!

آج ہمارا مقابلہ عیسائیت اور یہودیت سے من حیث المذہب نہیں، اس لیے کہ یہ مذاہب اپنی اصل کے اعتبار سے نابود ہوچکے ہیں، ان مذاہب کی چند علامتی رسوم باقی رہ گئی ہیں۔ آج ہمارا اصل مقابلہ مغربی فکر اور تہذیب سے ہے۔

سیکولر ازم اور لبرل ازم کے مباحث جو پہلے بند کمروں میں، اعلیٰ تعلیمی اداروں کی کلاسوں میں یا ادبی تقریبات میں ہوتے تھے، ذرائع ابلاغ کی عمومیت سے معاشرے میں عام ہو گئے ہیں۔ سوشل میڈیا کے ذریعے مغربی آدرشوں کو تیزی سے پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ اب نہ صرف کھلے عام یہ کہنا کہ ''میرا کوئی مذہب نہیں'' آسان ہو گیا ہے، بلکہ مذہب کا مضحکہ اُڑانا اور مقدس شخصیات کی توہین کرنا بھی ایک فیشن بن گیا ہے۔ اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے وہ تمام تانے بانے جو دین وشریعت سے ماخوذ ومستفاد تھے، ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں۔ ''ہیومن رائٹس'' پر تو سب متفق نظر آتے ہیں، اور انہیں جدید زندگی کا لازمہ تصور کیا جا رہا ہے۔ آج کا دین دار طبقہ ان مباحث کی مبادیات سے ناواقف ہونے کی بنا پر اس کا ایسا رد پیش نہیں کر پا رہا جو اُنہیں بیخ وبن سے اُکھاڑ پھینکے۔ مغرب پر تنقید ہوتی ہے تو اس کے چند ظواہر پر، مثلاً وہاں فحاشی عریانی ہے، خاندان بکھر گئے ہیں، فرد تنہا ہو گیا ہے، وغیرہ..... لیکن یہ سب کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ ان سوالات کا جواب اُن کے پاس نہیں۔

معاشرے میں تبدیلی کیسے واقع ہوتی ہے؟

کسی بھی اقداری اور معاشرتی تبدیلی سے قبل انسان کے عقائد وافکار اور خیالات میں تبدیلی آتی ہے۔ عقائد اور نظریات کے اثرات لازماً انسان کے قول وفعل پر رونما ہوتے ہیں۔ اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ انسان کا عقیدہ جس قدر راست، پاکیزہ اور وحیِ الٰہی کے مطابق ہوگا، اسی قدر انسان کی شخصیت میں، اس کے کردار وافعال میں پاکیزگی ہوگی؛ اور انسان سے ایسے افعال واعمال کا صدور ہوگا جو معاشرے میں امن وسلامتی اور صلاح وفلاح کو عام کریں گے۔ انسان کے عقائد ونظریات جس قدر وحیِ الٰہی سے دور ہوں گے؛ اسی قدر اس کے افعال واقوال اور کردار میں بگاڑ، پستی اور پراگندگی بڑھتی جائے گی۔ اس کی ذات سے ایسے اعمال کا صدور ہوگا جو زمین کو فساد سے بھر دیں گے۔

یورپی معاشرے میں تبدیلی کیسے واقع ہوئی؟

یورپ میں آنے والی اعتقادی اور فکری تبدیلیوں کے آغاز کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یورپ کا عیسائی معاشرہ اپنے لایعنی اور باطل عقائد کے سبب ذہنی فکری کشمکش کا شکار ہو چکا تھا۔ اس کشمکش کا سبب عیسائی پادری تھے، جنھوں نے عیسائی تعلیمات پر اپنی خواہشات کا لبادہ اوڑھایا۔

عیسائیوں نے دو اَدیان کو ملا کر ایک دین بنایا تھا: ایک انبیاء موحدین کا دین اور ایک مشرکین کا دین، یعنی ان کے دین میں ایک حصہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا تھا اور ایک حصہ اُن اقوال وافعال کا

تھا جو انہوں نے مشرکوں کے دین سے لے کر شامل کیے تھے۔ اسی طرح انہوں نے ''اقانیم'' کے الفاظ ایجاد کیے، جن کا انبیاء کرام علیہم السلام کے کلام میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تین اقانیم کا مجموعہ ہے، یہ تینوں الگ الگ ہیں، مگر ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں۔ باپ (اللہ) خدا ہے، بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) خدا ہے، اور روح القدس (جبریل علیہ السلام) بھی خدا ہے، مگر یہ تین نہیں، ایک خدا ہے۔ اسے عقیدۂ تثلیث بھی کہتے ہیں۔

اسی طرح اُنہوں نے مجسم اور سایہ دار بتوں کی جگہ وہ بت ایجاد کیے جن کا سایہ نہیں ہوتا۔ آفتاب اور چاند کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے، موسم بہار میں روزہ رکھنے کو دین میں شامل کیا، تاکہ بزعمِ خویش دینِ شرعی اور اَمرِ طبعی دونوں کو وہ جمع کر لیں۔

عیسائی اعتقادات کے مطابق چوں کہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے گناہ کیا تھا اور اسی کی بدولت جنت بدر ہوئے تھے، لہٰذا ہر انسان کو آدم علیہ السلام کا گناہ وراثت میں ملتا ہے، اس لیے اللہ نے اپنے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جو خود (عیسائیوں کے نزدیک) خدا بھی تھے، دنیا میں بھیجا اور اُنہوں نے صلیب پر جان دے کر سارے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا، چنانچہ جو کوئی بھی عیسائیت قبول کرے گا' نجات پائے گا۔ عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث یعنی باپ (خدا) بیٹا (عیسیٰ) اور روحِ قدس، یہ تینوں خدائی میں برابر کے شریک ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی یونانی مذہب کے اس تصور سے مستعار ہے کہ ''دیوتا'' انسانی جسم میں حلول کر سکتا ہے۔ عیسائیت پر ارسطوی فکر بھی غالب رہی، ایک وقت تک عیسائیت اپنے اعتقادات کو نص کی بجائے ارسطو کی منطق سے ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہی، لیکن جب ارسطو کی فکر پر نقد ہوا اور وہ لغو ثابت ہوئی تو گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی سے عیسائی عقائد کی معقولیت کو خود پادریوں نے چیلنج کرنا شروع کر دیا، بالخصوص نظریۂ تثلیث ہدفِ تنقید بنایا گیا۔

اس طرح عیسائیت کے داخلی اعتقادی انتشار نے یورپ میں لادینی تہذیب کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا، ظاہر ہے کہ اس ملغوبہ قسم کے مذہب کو قبول کرنا انسانیت کے لیے آسان نہیں تھا، پھر جب ان محیر العقول اعتقادات کے ساتھ ریاستی جبر اور تشدد بھی شامل ہو جائے تو مذہب سے بغاوت ناممکن نہیں رہتی، یہی کچھ یورپ میں عیسائیت کے ساتھ ہوا، اور کیتھولک عیسائیوں کے مقابل پر وٹسٹنٹ کھڑے ہوئے۔

عیسائی معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے انسانی جسم میں حلول کرنے کا عقیدہ ''انسان پرستی'' (Humanism) کی بنیاد بنا۔

ہیومن ازم کا دعویٰ ہے کہ انسان خدا کی صفات اپنا کر خدائی اختیارات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا کوئی ماورائے کائنات ہستی نہیں، بلکہ محض چند ایسی صفات کا مجموعہ ہے جو انسان اور کائنات کے دیگر اجسام پر حلول کر سکتا ہے، ایسا محض عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کسی بھی انسان کے وجود میں حلول کر سکتا ہے۔

جب یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر انسان کا یہ اختیار کہ خیر و شر کے معیارات اور زندگی گزارنے کے طریقے خود مدوّن اور مروّج کرے، آسان ہو جاتا ہے۔ یورپ میں اس فکر کے پروان چڑھنے کا دورانیہ پندرہویں صدی عیسوی کا ہے۔ اس فکر نے آگے چل کر عیسائیت پر کاری ضرب لگانے کا موقع فراہم کیا (چوں کہ عیسائیت اس وقت ہمارا موضوع نہیں، اس لیے مزید تفصیلات سے احتراز مناسب ہے)۔

ریشنل ازم (عقلیت) کا دور

اسی دورانیے میں یورپی مفکرین نے عیسائیت کو ریشنل (Rational) بنیادوں پر پرکھنے کی بِنا ڈالی، کہا گیا کہ:

''مذہبی تعلیمات کو پرکھنے کی کسوٹی Reason ہے، اور اس کی تعبیر عقلی بنیادوں پر کیے بغیر بدلے ہوئے زمانوں میں انسانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتیں۔''

یہ ملاحدہ قدیم کا صدیوں سے چلا آنے والا سکہ بند جملہ ہے۔

''ڈیکارٹ'' (Rene Descartes) جو جدیدیت کا بانی اور پہلا مفکر شمار ہوتا ہے، جس نے ریشنل بنیادوں پر عیسائیت پر فلسفیانہ ضربیں لگائیں، نے کہا:

''وہ ایک ایسی چیز کو حق کیوں کہے جو محض تصوراتی معلوم ہوتی ہے۔''

یعنی خدا، جنت، دوزخ، حشر، عدالت، وغیرہ۔ ڈیکارٹ کا کہنا تھا کہ:

''علمی اور عقلی بنیادوں پر کوئی بھی انسان اپنے سوا کسی بھی چیز کو خواہ وہ خیالات ہوں یا اَقدار، معیاراتِ خیر و شر ہوں یا وحی اور چاہے خدا کا وجود.....غرض کسی بھی چیز کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اکیلی میری ذات میرا وجود ہے، جس کا ہونا کسی شک و شبہے سے بالاتر ہے۔''

''میں اپنے اس دنیا میں ہونے کا جواز اپنے اندر رکھتا ہوں، میرا وجود کسی خارجی ذریعے، حقیقتِ مطلق یا خالقِ کائنات کا مرہونِ منت نہیں۔''

''میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں۔''

سارتر جو مغرب کا اہم مفکر ہے، کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ: ذات (Self) کے اندر اس بات کی استطاعت موجود ہے کہ وہ جیسا بننا چاہے بن سکتا ہے۔ وہ اپنی تخلیق خود کر سکتا ہے، اور دنیا کو جیسا بنانا چاہتا ہے بنا سکتا ہے۔ انسان بنیادی طور پر کوشش کرتا ہے کہ خدا بن جائے، اگر وہ خدا نہیں بننا چاہتا تو یہ Bad Faith ہے۔

sam summer اپنی کتاب (struggling with God) میں کہتا ہے: ''خدا انسان ہے اور انسان خدا ہے، دونوں سے مراد زندگی ہے جو محبت کے لیے مصروفِ کشمکش ہے۔''

''فیور باخ'' خدا کے وجود کا ہی منکر ہے، اس کا کہنا ہے کہ خدا صرف انسان کے دل میں ہوتا ہے، اس سے باہر اس کا کہیں وجود نہیں۔

ڈیکارٹ کے گروہ کا خیال ہے کہ:

''خدا نے کائنات کو بنایا، اب اس کے بعد اس مشینری کو چلانے میں دخل نہیں دیتا۔ یہ مشین انسان کے سپرد کر دی گئی ہے، لہٰذا اب کائنات میں الوہی منصب خود خدا کو مل چکا ہے۔''

یہ مغربی مفکرین کے خدا اور انسان کے متعلق خیالات ہیں۔ ان خیالات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ہاں کوئی اَن دیکھی ہستی خدا کا وجود نہیں رکھتی، ان کے ہاں انسان ہی تمام طاقتوں کا مظہر ہے۔ مغرب' مذہب اور خدا کو کس طرح خیر باد کہہ چکا ہے؟ اس کا اظہار ڈنمارک کے بدبخت شاتم رسول فلیمنگ روز نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

''ہم میں اور مسلمانوں میں فکری اور ثقافتی یا تہذیبی فرق یہ ہے کہ ہم نے تو خدا اور رسول اور کتاب کا حوالہ اپنے ذہنوں سے اُتار دیا ہے۔ ہم کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ بائبل میں کیا لکھا ہے؟ کوئی قانون طے کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ خدا کیا کہتا ہے؟ کوئی بات کہتے وقت عیسیٰ کا حوالہ نہیں دیتے کہ اس بارے میں انہوں نے کیا کہا تھا؟ ہم آزاد ذہن سے فیصلہ کرتے ہیں۔''

کانٹ.....روشن خیالی کا مفکرِ اعظم

تحریکِ تنویر کا دوسرا بنیادی مفکر امانویل کانٹ (Immanuel Kant) ہے۔ یہ مغرب میں کانٹے کا مفکر گزرا ہے، اس نے ۱۷۸۴ء میں ایک مختصر تحریر ''روشن خیالی کیا ہے؟'' لکھی جس نے یورپی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ کانٹ انسانی ذات کے بارے میں کہتا ہے کہ: (Self) میں ایک ایسا جوہر موجود ہے جس کی بنیاد پر اور جس کے استعمال سے زمان و مکان سے ماوراء ہو کر حقیقت کو جانا جا سکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر انسانی ذہن میں وہ ترتیب اور نظم موجود ہے جو انسانی تجربے کو ہیئت (Form) اور معانی (meaning) فراہم کر کے تجربے کو بہ حیثیت تجربہ ممکن بناتا ہے۔ کانٹ کے مطابق ذہن کی اس صلاحیت پر ایمان لانے کے بعد ایسے اصول و قوانین وضع کیے جا سکتے ہیں جو: ۱-مطلق (absolute) ہوں۔ ۲-یقینی (Certain) ہوں۔ ۳-آفاقی (Universal) ہوں۔ یعنی وہ ہر معاشرے، نظام اور ریاست پر عمومی اور یکساں طور پر قابلِ عمل و قابلِ نفاذ ہوں۔

کانٹ کے نزدیک مابعد الطبیعات (اِلہامی تعلیمات) کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ وہ انسانی خودمختاری (Human Autonomy) کو خدا کے تابع کرتی ہے، جبکہ خودمختاری انسانیت کا جوہر ہے۔ کسی

بھی شے کے حق یا ناحق ہونے کا واحد معیار یہ ہے کہ وہ آفاقی تعقل سے ہم آہنگ ہے کہ نہیں؟!

روشن خیال کون؟

کانٹ کے مطالعے سے روشن خیالی کا ایک واضح تصور سامنے آتا ہے۔ کانٹ کے مطابق جب انسان اپنی عقل (Reason) کو کسی مقتدرہ (Authority) کے تابع کیے بغیر بذاتِ خود استعمال کرے تو وہ روشن خیال ہے، وہ لکھتا ہے:

"Enlightenment is man's emergence from his self-imposed immaturity immaturity is the inability to use one's understanding with out guidance from another this immaturity is self-imposed when its cause lies not in lack of understanding but in lack of resolve and courage to use it without guidance from another ."

''روشن خیالی اس ذہنی ناپختگی سے نجات کا نام ہے جو ہیومن نے خود پر مسلط کر رکھی تھی۔ یہ ذہنی ناپختگی فی الاصل دوسروں کی رہنمائی کے بغیر اپنے ریزن کو استعمال نہ کر سکنے کی کیفیت کا نام ہے، مگر اس کی وجہ انسانی ریزن کا عدمِ وجود نہیں، بلکہ انسان میں اس جرأت اور پختہ ارادے کی کمی ہے جو اسے کسی اور کی رہنمائی کے بغیر اپنی عقل استعمال کرنے کے قابل بنا سکے۔''

کانٹ کے مطابق ریزن کا مؤثر استعمال ہی انسانی ذہن وارادے کی بلوغت (Maturity) کو یقینی بناتا ہے۔ عدمِ بلوغت (Immaturity) سے بلوغت (Maturity) تک کا یہ عمل ''روشن خیالی'' ہی کے ذریعے ممکن ہوا ہے۔ عدمِ بلوغت سے کانٹ کی مراد انسانی ارادے کی وہ مخصوص کیفیت ہے جہاں انسان اپنی ریزن کی بجائے کسی اور مقتدرہ کے حق اور اختیار کو تسلیم کر لیتا ہے۔

یہ تحریکِ تنویر یا روشن خیالی کا بنیادی مقدمہ ہے کہ جب انسان کی سوچ اور اِدراکات کی سطح یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ محض اپنی عقل پر بھروسہ کرنے لگے تو یہ انسان روشن خیال ہو گیا، اس کی فکر نے جِلا پالی، اور اب وہ خارجی عوامل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی عقل پر بھروسہ کرنے لگا ہے، چنانچہ روشن خیالی کسی بھی خارجی ذریعۂ علم (External Authority) کے انکار کا نام ہے۔

Enlightment کی تعریف یہ کی گئی ہے:

''انسان کی صمدیت پر ایمان لانا اور یہ ماننا کہ ادراکِ حقیقت کے لیے کسی وحی کی ضرورت نہیں، بلکہ انسان اپنی کلیات کی بنا پر حقیقت جان سکتا ہے۔''

(جاری ہے)

ہیومن اِزم اور ہیومن رائٹس

مولانا محمد احمد حافظ
مدیر ماہنامہ وفاق المدارس

ملحدانہ افکار کا ایک طائرانہ مطالعہ

(دوسری اور آخری قسط)

ہیومینٹی: تحریک تنویر (روشن خیالی) کا کلیدی تصور

تحریک تنویر (روشن خیالی) کا کلیدی تصور Humanity ہے۔ Emanuel Kant کے مطابق ہیومن بینگ Human Being کا بنیادی وصف اس کی Autonomy یعنی خود اِرادیت اور خود تخلیقیت ہی ہے، وہ اپنی ذات کا مالک خود ہے، وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ ہیومن بینگ معیاراتِ خیر وشر خود متعین کرتا ہے، اس کی بنیادی قدر ''آزادی'' ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی کے مطابق:

''ہیومن ازم ہر اس فلاسفی کو کہتے ہیں جو انسانی قدر یا عزت کو تسلیم کرے اور اسے تمام چیزوں کا میزان قرار دے۔''

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس میں ہیومن ازم کے بارے میں کہا گیا ہے:

''فلسفہ میں ہیومن ازم ہر طرح کی فطریت (ربانیت) اور کلیت کی ضد ہے۔ یہ ایک ایسا فلسفیانہ رجحان دیتا ہے جو انسانی تجربوں کی تشریحات کو ہر طرح کے فلسفہ کا اولین مرکزِ توجہ قرار دیتا اور اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اس کام کے لیے انسانی علم کافی ہے۔''

امریکی فلسفی کارلس لیمنٹ نے اپنی کتاب ''فلسفۂ انسانیت پرستی'' میں ہیومن ازم کو کھول کر بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا کہ اس کے اب تک آٹھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ صفحہ نمبر: ۱۰ سے وہ ہیومن ازم کے دس بنیادی نکات بیان کرنا شروع کرتا ہے جن میں سے پہلے

پانچ کا معنوی ترجمہ مع اصل متن پیش خدمت ہے:

"First, Humanism believes in a naturalistic metaphysics or attitude toward the universe that considers all forms of the supernatural as myth; and that regards Nature as the totality of being and as a constantly changing system of matter and energy which exists independently of any mind or consciousness."

''اول: ہیومن ازم نیچری مابعد طبیعات یا سادہ لفظوں میں اس رویّے پر یقین رکھتا ہے جس کے مطابق ہر قسم کے مافوق الفطری موجودات (مثلاً: خدا، فرشتے، جنت، جہنم وغیرہ) فرضی قصے کہانیاں اور افسانے ہیں، اور یہ کہ تمام وجودات اور یہ ساری کائنات' مستقل بالذات مادے اور اِنرجی کے باہمی تعامل ہی کا نتیجہ ہیں، جن کے پیچھے کوئی ذہن مطلق یا ناظم کائنات کارفرما نہیں ہے۔''

"Second, Humanism, drawing especially upon the laws and facts of science, believes that we human beings are an evolutionary product of the Nature of which we are a part; that the mind is indivisibly conjoined with the functioning of the brain; and that as an inseparable unity of body and personality we can have no conscious survival after death "

''دوم: ہیومن ازم کا انحصار بالخصوص سائنسی قوانین وحقائق پر ہے۔ ہیومن ازم کے مطابق ہم انسان اس مادی کائنات-جس میں کہ ہم رہتے ہیں- ہی کا ایک حصہ اور ارتقائی ماحصل ہیں۔ اور یہ کہ نفس یا شعور انسانی دماغ ہی کے تعامل اور فنکشنز کا نام ہے جس کا دماغ کے ساتھ اٹوٹ رشتہ ہے، یعنی نفس انسانی الگ سے کوئی روحانی وجود نہیں بلکہ دماغ ہی کا ایک عمل ہے۔ ہیومن ازم اس بات پر بھی یقین رکھنے کا نام ہے کہ چونکہ انسانی تشخص یا روح اور جسم درحقیقت ایک ہی شے ہے، اس لیے موت کے بعد کسی قسم کی شعوری حیات کا کوئی وجود نہیں۔''

"Third, Humanism, having its ultimate faith in humankind, believes that human beings possess the power or potentiality of solving their own problems, though reliance primarily upon reason and scientific method applied with courage and vision"

''سوم: ہیومن ازم چونکہ ''انسان'' پر ایمان لانے کا نام ہے، اس لیے انسانی مسائل کو حل کرنے میں حتمی فیصلہ (وحی یا آسمانی ہدایت کی بجائے) انسانی عقل اور سائنسی طریقہ کار کا ہے۔''

"Fourth, Humanism, in opposition to all theories of universal

determinism, fatalism, or predestination, believes that human beings, while conditioned by the past, possess genuine freedom of creative choice and action, and are, within certain objective limits, the shapers of their own destiny "

''چہارم: ہر قسم کے نظریہ جبر و تقدیر اور ایمان بالقدر کے برعکس، ہیومن ازم یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان اپنی قسمت اور تقدیر کا خالق خود ہے، ان معنوں میں کہ جس شے یا عمل کو انسان مثبت سمجھتا ہے، اسے اپنانے یا کر گزرنے میں انسان پوری طرح آزاد ہے، یعنی اسے کسی خارجی یا آسمانی پابندی کی فکر نہیں کرنی چاہیے، وہ اپنے لیے خیر و شر کے انتخاب اور ترجیحات کی درجہ بندی متعین کرنے میں پوری طرح آزاد ہے۔''

"Fifth, Humanism believes in an ethics or morality that grounds all human values in this-earthly experiences and relationships and that holds as its highest goal the this worldly happiness, freedom, and progress –economic, cultural, and ethical –of all humankind, irrespective of nation, race, or religion "

''پانچواں یہ کہ ہیومن ازم کے مطابق اخلاقیات کی تمام تر بنیاد مذہب، قوم یا قبیلے کی روایات و تعلیمات کی بجائے ان دنیاوی اقدار پر ہے جن کے ذریعے انسان اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ خوشیاں، آزادی اور مادی ترقی حاصل کر سکے۔'' (بحوالہ مقالہ جناب ریاض شاہد)

تحریکِ تنویر کی کوکھ سے جنم لینے والا یہ فلسفہ اور مغربی فلاسفر جب انسان ہی کو کائنات کا محور اور خیر و شر کے تعین کا ذمے دار قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں خدا پرستی کا کیا سوال؟ یہی وجہ ہے کہ ڈیکارٹ کا کہنا تھا کہ:

''وہ ایک ایسی چیز (ذاتِ باری تعالیٰ) کو حق کیسے تسلیم کرے جو محض تصوراتی معلوم ہوتی ہے۔''

فکرِ جدید کے پیغامبر ڈیکارٹ، والٹیئر، کانٹ، نطشے، شوپن ہاور، ہیگل وغیرہ کی مجموعی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- انسان کائنات کا محور و مرکز ہے۔
۲- آزادی آئیڈیل ہے۔
۳- مساوات بنیادی قدر ہے۔
۴- ریشنیلٹی معیار ہے۔

ہیومینٹی (Humanity).....انسانیت نہیں

Humanity کا ترجمہ ''انسانیت'' کیا جاتا ہے جو درست نہیں، ''انسانیت'' چیزے دیگر ہے، اس کے لیے انگریزی کا لفظ Mankind ہے۔ یہی لفظ انسانی اجتماعیت کے لیے انگریزی زبان میں اٹھارہویں صدی سے قبل رائج تھا، اصلاً ''Humanity'' کا تصور ''انسانیت'' کا رَد ہے۔

ان معنوں میں ہیومینٹی کا ترجمہ ''شیطنت'' یا نفسِ امارہ کے مطیع کے سوا اور کچھ نہیں بنتا، وہ نفسِ امّارہ جس کے بارے میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ...الخ۔''

ہیومن ازم کی بجا طور صحیح تشریح مشہور امریکی مفکر وٹمن کا وہ باغیانہ رجز ہے، جسے امریکی دانشور رچرڈ رارٹی نے اپنی کتاب ''اچیونگ آور کنٹری'' (Achieving our country) شائع شدہ ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۹۸ء) میں نقل کیا ہے، وٹمن کہتا ہے:

''اے لوگو! آؤ میری آواز پر لبیک کہو
میری بات غور سے سنو
میں تمہیں خدا کی طرف نہیں بلاتا
میں تمہیں خدا کی عبادت کی طرف نہیں بلاتا
میں تمہیں انسان کی طرف دعوت دیتا ہوں
میں تمہیں انسان کی پرستش کی طرف دعوت دیتا ہوں
اے لوگو! آؤ میری آواز پر لبیک کہو
میری بات غور سے سنو
لوگو! خدا کی جستجو چھوڑ دو، خدا کے لیے مارے مارے پھرنا چھوڑ دو
(یہ سب کارِ لاحاصل اور کارِ عبث ہے)
اس لیے جو اپنی ہم جنسوں کی جستجو اور تلاش میں لگا ہو
اس کو خدا کی جستجو اور تلاش کبھی نہیں ستاتی۔''

رچرڈ رارٹی اپنی مذکورہ کتاب میں امریکی عوام کو مشورہ دیتا ہے کہ:

''گزشتہ قوموں اور تہذیبوں نے خدا کی رضا جاننے میں اپنی توانائیاں صرف کر دی تھیں، جان ڈیوی اور ہیگل نے مغربی عوام کو اس سعی لاحاصل سے نکالا اور انہیں یہ درس دیا کہ وہ اپنی تمام توانائیاں انسان کی رضا اور انسان کی خواہشات کی تکمیل میں صرف کر دیں۔''

اس مخصوص تصورِ علم اور تصورِ انسان کو ہیومن بینگ (Humen Being) کہا جاتا ہے۔ اس وقت مغرب میں جتنے بھی علوم پائے جاتے ہیں خواہ سائنس ہو، خواہ سوشل سائنس، ان کے پس منظر میں یہی فکر کارفرما ہے۔ اس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ ''ہیومن بینگ'' (Human Being) بنیادی طور پر عبدیت کا رَد ہے، اس لیے کہ ''عبد'' اپنے ''ارادے'' اور ''خواہش'' کے تابع نہیں ہوتا، بلکہ اللہ رب العالمین کا مطیع و

فرماں بردار ہوتا ہے، وہ اپنے لیے معیاراتِ خیر وشر خود تخلیق نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی کے ذریعے بتائے گئے خیر و شر میں امتیاز کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مغربی فکر انسان کی پیدائش، اس کے مقصدِ زندگی اور مابعد الموت کے بارے میں کوئی سوال نہیں اُٹھاتی۔ اس کے ہاں اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا کہ آخر انسان کیونکر اس دنیا میں آیا؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کا محور صرف حال کی دنیا اور انسان اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہے، چنانچہ اس کی ساری تگ ودو اسی دنیا کو تسخیر کرنے اور اسی کو جنت بنانے پر ہے۔

یورپی معاشرے میں یہ فکر اچانک پروان نہیں چڑھی، بلکہ صدیوں کا دَور اس عمل میں صرف ہوا ہے۔ اسی فکر کی بنیاد پر ہیومن رائٹس (انسانی حقوق) کا عالمی چارٹر مرتب ہوا۔ اس چارٹر کے تین لازمی جز ہیں:

❶ - ''آزادی'' جو عبدیت کا رد ہے، جسے ہم دین اور الہامی تعلیمات سے بغاوت تصور کرتے ہیں۔

❷ - ''مساوات'' جس کا مطلب حق اور باطل، صحیح وسقیم، اسلام اور کفر کی برابری ہے، جو دراصل نظامِ ہدایت کا رد ہے۔

❸ - ''ترقی'' جسے دوسرے لفظوں میں ہم عیش وعشرت، لذات کے حصول کی جدوجہد اور طولِ امل کے فروغ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

انسانی حقوق کا چارٹر اور اس کے مصنفین

ہیومن ازم اور اس سے متعلق نظریات کے فروغ میں بیسیوں مفکرین کے نام لیے جا سکتے ہیں، انہی کی جدوجہد تھی کہ فرانس، برطانیہ، امریکا، جرمنی وغیرہ میں مذہب بیزار انقلابات رونما ہوئے، فرانس کا اعلانِ آزادی اور امریکا کا اعلانِ آزادی آپس میں گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ ''آزادی'' سے مراد یہاں کسی غیر ملکی تسلط سے آزادی نہیں بلکہ مذہب، پادری، بائبل، اخلاقی حدود وقیود سے آزادی شامل ہے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے ۱۷۷۶ء میں امریکا کا اعلانِ آزادی سامنے آیا۔ ۱۷۸۸ء میں امریکی دستور ''بل آف رائٹ'' (حقوق کا بل) مرتب ہوا۔ امریکی دستور کا ماخذ ''فیڈرلسٹ پیپرز'' ہیں۔ ''فیڈرلسٹ پیپرز'' وہ مضامین تھے جو دستور کی حمایت میں امریکا کے پہلے وزیر خزانہ الیگزینڈر ہملٹن، امریکا کے پہلے چیف جسٹس جان جے اور امریکی صدر جیمس میڈسن نے امریکی اخباروں میں لکھے تھے۔ یہ تمام مضامین مغرب کے ملحد مفکرین اور ہیومن ازم کے پرچارک فلسفیوں کے افکار ونظریات کی روشنی میں لکھے گئے تھے۔

اقوامِ متحدہ کا منشور The Universal Declaration of Rights ''آفاقی اعلامیہ برائے حقوق'' (جس کا ترجمہ ''انسانی حقوق'' کیا جاتا ہے) اسی امریکی دستور ''بل آف رائٹ'' کا چربہ

ہے۔ اس منشور کی مصنفہ اس وقت کے صدر روز ویلٹ کی بیوی ایلینا روز ویلٹ تھی۔

''ہیومن رائٹس'' کے نفاذ کے لیے عالمی طاقتوں کا جبر

اقوامِ متحدہ تنظیم کی جانب سے تمام ممبر ممالک پابند ہیں کہ وہ ''ہیومن رائٹس'' کو آفاقی، عالمی اور ناقابلِ چیلنج قانون تسلیم کرتے ہوئے اس پر دستخط کریں۔

چنانچہ مسلم ممالک بھی اقوامِ متحدہ کا ممبر بنتے وقت اس پر اپنے دستخط کے ساتھ توثیق کر چکے ہیں۔ اس منشور پر دستخط کے بعد ممبر ممالک کے لیے بین الاقوامی قانون کے تحت یہ درست نہیں کہ وہ ہیومن رائٹس کے علی الرغم کوئی قانون سازی کر سکیں، مقامی قانون سازی میں ہیومن رائٹس کو مدِنظر رکھنا لازمی ہے۔

یو این ڈی پی کی ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۰۰ء میں ہیومن رائٹس کے فروغ کے لیے تین اہم خطوط متعین کیے گئے تھے۔ اس رپورٹ میں جن ترجیحات کا تعین کیا گیا، وہ درج ذیل تھیں:

❶ - تیسری دنیا کے ممالک بین الاقوامی قوانین کی ملکی قوانین پر بالادستی تسلیم کر لیں جو ہیومن رائٹس سے متعلق سول لبرٹیز کو عالمی سطح پر نافذ کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

❷ - قومی ریاستوں کا ڈھانچہ ان بین الاقوامی قوانین اور عدالتی تنظیموں کے ماتحت کر دیا جائے جو کیپٹیل ازم کی عالمگیریت کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

❸ - معاشرتی سطح پر ایسی گروہ بندیاں قائم کی جائیں جو حقوق کی سیاست کو فروغ دیں اور قومی ریاستوں کے عالمی سرمایہ کے ماتحت ہو جانے کے عمل کی تائید کریں، اور اس کا جواز عوامی سطح پر پیش کریں۔

اقوامِ متحدہ کی ذیلی تنظیمیں اور مغرب کی پروردہ این جی اوز اس بات کی مانیٹرنگ کرتی رہتی ہیں کہ کسی ملک میں ہیومن رائٹس کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی؟ چنانچہ ایک مرتبہ یو این او کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی کہ جو ملک بھی حقوقِ انسانی کے ماورا قانون سازی کرے، اس کے خلاف اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل فوجی کارروائی کرے۔ اس نے کہا تھا کہ کسی حکومت کو حق حاصل نہیں کہ وہ قومی خود مختاری کو آڑ بنا کر ہیومن رائٹس سے انکار کرے۔

ہیومن ازم (انسان پرستی) کا فلسفہ قرآن وسنت کی روشنی میں

مغربی فلسفہ صرف اس دنیا (This world) سے بحث کرتا ہے، یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ انسان پیدائش سے قبل کیا تھا؟ اس کا مقصدِ پیدائش کیا ہے؟ اور مرنے کے بعد کیا پیش آئے گا؟ ان سوالوں کا جواب اس کے پاس نہیں ہے۔ مغربی فلسفہ انسان کی تخلیق کے بارے کہتا ہے کہ انسان بس پھینک دیا گیا ہے .....کس نے پھینکا؟ کہاں پھینکا؟ کیوں پھینکا؟ ان سوالوں کے جواب اس کے پاس نہیں ہیں۔

مشہور جرمن فلسفی مارٹن ہائیڈگر (Marten Heidegger) کے بقول انسان اشیاء کو پاتا ہے، اشیاء کو تخلیق نہیں کرسکتا، وہ کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے۔

اور سارتر (sartre) کے بقول کون کس وقت کیوں کائنات میں پھینکا گیا ہے؟ یہ ہم نہیں جان سکتے۔ چونکہ انسان کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے؛ وہ کائنات میں تنہا ہے اور اس کے وجود کو ایک دن ختم ہوجانا ہے، اس لیے خیر وشر کے ایسے دائمی پیمانے بنانا جو ذاتی اخلاقیات پر مشتمل ہوں؛ پیش نہیں کیے جاسکتے۔

یہ کیسی لغو بات ہے کہ انسان کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق ہی کسی فکر میں لایعنی ہو، قرآن مجید کائنات، انسان کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق کا نہ صرف مکمل اور تسلی بخش جواب دیتا ہے، بلکہ انسان کے ضعف وعجز اور اس کی محدود قوتِ خیال وعمل کو بھی کھول کر بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ'' (سورۃ العلق:۱-۲)

''اے پیغمبر! (جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے۔''

تخلیقِ کائنات وانسان کی اپنی جانب نسبت کے بعد اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی:

''هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا'' (سورۃ الدھر:۱-۲)

''بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابلِ تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا، بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا۔''

صرف یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کردی؛ بلکہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' (التین:۴)

''ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔''

تخلیق کے بعد انسان کو تکریم وعزت سے نوازا، پاکیزہ رزق عطا فرمایا:

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ'' (الاسراء:۷۰)

یہ حقیقت ہے انسان ایک وقت تھا کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہیں تھا، اس کی تخلیق ہوئی بھی تو ایسے ننھے سے قطرے سے جو بدبودار ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہوا، اسے پیدا کرنے والی کوئی ہستی ہے، پھر انسان کو بے ڈھنگا پیدا نہیں کیا، بلکہ توازن اور خوبصورتی کے ساتھ وجود بخشا، اسے عزت وکرامت عطا کی، بحر وبر میں چلنے اور سفر کرنے کی سہولت دی، پاکیزہ رزق عطا فرمایا، اس کی تخلیق کا مقصد بھی بتادیا:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ'' (الذاریات:۵۶)

''اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔''

لیکن انسان خیال کرے کہ وہ اپنی reason کے بل بوتے زندگی کے معنی تلاش کرسکتا ہے، خیر وشر کی تعیین کرسکتا ہے، وہ اپنی reason کی راہنمائی میں کائناتِ ارضی میں خاص قوانین کا اجراء کرسکتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے، اس لیے کہ کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے علمِ کلی ضروری ہے، ایسی ہستی جو علیم وخبیر ہو، اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

انسان تو نارَسائیوں کا پیکر ہے، حقائق تک اس کی مکمل رسائی نہیں ہے، وہ اپنی موت تک کا اِدراک نہیں کرسکتا۔ وہ اپنی موت کے معین وقت سے واقف نہیں ہے، وہ نہیں جانتا کہ آئندہ اسے کیا بیماری لاحق ہونے والی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسان کی نارَسائیوں، اس کے عجز ودرماندگی اور بے چارگی کو کھول کھول کر بیان فرمایا ہے، تاکہ وہ اپنی حقیقت سے آگاہ رہے۔ ذرا دیکھیے! قرآن انسان کے بارے کیا کہتا ہے؟!:

''وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا'' (الاسراء:۸۵)

''اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔''

جب یہ بات ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ محض اپنی عقل اور اَٹکل کے زور سے خیر وشر کی تعیین کرسکے؟!۔

''وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا'' (النساء:۲۸)

''اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ'' (ابراہیم:۳۴)

''(مگر) یہ سچ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ'' (الزخرف:۱۵)

''واقعی انسان صریح ناشکر ہے۔''

''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ'' (العادیات:۶)

''بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔''

''اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا'' (المعارج:۱۹)

''انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔''

''اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ'' (یٰسین:۷۷)

''کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا، سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔''

''خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ'' (الانبیاء:۳۷)
''انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا ہے۔''
''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ'' (البلد:۴)
''ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔''
''وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً'' (الاسراء:۱۱)
''اور انسان (کچھ طبعاً ہی) جلد باز (ہوتا) ہے۔۔''
''وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا'' (الاسراء:۱۰۰)
''اور آدمی ہے بڑا تنگ دل۔''
''وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلاً'' (الکہف:۵۴)
''اور اس پر بھی منکر آدمی جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔''
''اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا'' (الحشر:۷۲)
''وہ ظالم ہے، جاہل ہے۔''
''کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی'' (العلق:۶)
''سچ مچ بیشک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے۔''

تو جب انسان کی غالب صفات یہ ہیں کہ وہ قلیل العلم، ضعیف البدن، خواہشات کے گھوڑے کا سوار، سرکش، ظلوم وجہول، جھگڑالو، جلد باز، بے صبرا، ناشکرا، تنگ دل، حق کا حریف رہنے والا ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ وہ انسانی معاشرت کی بقاء وتسلسل کے لیے آفاقی اور دائمی راہنما اصول وضع کر سکے؟!۔

آج آسمانی ہدایت کو چھوڑ کر جن معاشروں نے خود ساختہ؛ وضعی قوانین کے ذریعے کاروبارِ حیات چلانے کی کوشش کی، ان کی کیا حالت ہے؟ کیا وہ بدترین تنزلی کا شکار نہیں ہو چکے؟! کیا ان کے ہاں خاندان کا ادارہ باقی رہا ہے؟ ان کے ہاں عفت وعصمت کوئی معنویت رکھتی ہے؟ ظاہر ہے جواب نفی میں ہے۔

ہر فکر اپنی مابعد الطبیعات اور اپنے ذیلی اثرات ونتائج سے پہچانی جاتی ہے

یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر فکر اپنی مابعد الطبیعات، اپنے پس منظر اور پیش منظر سے پہچانی جاتی ہے۔ انسان کا عقیدہ اس کی عملی زندگی پر ٹھوس اثرات رکھتا ہے۔ صالح عقیدہ کے اثرات اور فاسد عقیدے کے اثرات میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ عقائد کی درستی سے انسان کا حال درست ہوتا ہے۔ حال اس وقت درست ہوتا ہے جب انسان کا دل ایمان باللہ اور اخلاص فی اللہ سے معمور ہو۔ توحید، رسالت، قیامت،

عدالت، اور آخرت جو ہماری ایمانیات میں شامل اور غیر متبدل عقائد ہیں؛ کسی شخص کا ان عقائد پر ایمان جتنا قوی ہوگا، اس کے وجود سے نکلنے والے اعمال اسی قدر صالح اور راست ہوں گے۔

اسلامی معاشروں میں بندگیِ رب، خدا خوفی وخدا ترسی، امن وسلامتی، صدق ودیانت، غریبوں، یتیموں، مسکینوں، ضعیفوں کی خبر گیری، شجاعت وغیرت، جیسی اعلیٰ قدریں اور بلند مرتبہ اوصاف کا پیدا ہونا یقینی امر ہے۔ صرف انہی معاشروں میں عدل وانصاف کا بول بالا ہوتا ہے اور ظلم وناانصافی ناپید ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ مومن اپنے ایمان کی قوت کی بدولت اطمینان کی کیفیت میں ہوتا ہے، وہ اپنے رب کی رضا میں راضی ہوتا ہے، اور ہمہ وقت اللہ کی رضا کی تلاش میں رہتا ہے، وہ صابر وشاکر اور قانع ہوتا ہے۔ وہ ہر ایسے کام سے بچتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا اندیشہ ہو، چنانچہ اس کے اعضاء وجوارح سے صادر ہونے والے اعمال میں سلامتی ہوتی ہے، مخلوقات اس سے امن پاتی ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کے وہ معاشرے جنہوں نے ہیومن رائٹس (انسانی حقوق) کو قبول کیا، جنہوں نے کتاب اللہ کی جگہ اپنے دستور کو فوقیت دی، وہ معاشرے بدترین خصائل کے مالک، اور نسل انسانی کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ یہ معاشرے غصب، غضب، شہوت، حسد، لالچ اور ظلم وعداوت کے پیکر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان معاشروں کے افراد کا حال اضطراب، بے یقینی اور بے چینی ہے۔ وہ قدرت کی گرفت اور اس کے جبر سے آزاد ہوجانا چاہتے ہیں (جو کہ ممکن نہیں)، چنانچہ وہ شہوت اور غضب کے ذریعے قدرت کے نظام میں فساد پھیلا کر اپنی الوہیت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مغربی معاشرے اسی فساد عظیم کے مظہر ہیں۔

ہم یہاں اس بات کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ کسی نظامِ فکر کو پرکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس کے بنیادی فلسفہ کو پیش کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ان کی ذاتی سیرت اور کیرکٹر کیا ہے؟ آپ کتاب اللہ کے حاملین کی سیرتوں کو پڑھیں اور مغرب کے جدید فلسفیوں کی ذاتی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مغربی مفکرین اور فلسفیوں کی ذاتی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عموماً انتہائی غلیظ، گھناؤنی اور رَذیل اخلاق کی حامل ہوگی، پھر کیونکر ان کے افکار وخیالات اور فلسفوں میں راستی اور سلامتی ہوسکتی ہے؟!

حقوق العباد اور حقوقِ انسانی میں فرق، اور حقوق کی سیاست کے بھیانک نتائج

گزشتہ سطور میں واضح کیا جاچکا ہے کہ ہیومن رائٹس کا خاص فلسفہ، پس منظر اور خاص اطلاق ہے۔ ہمارے ہاں عموماً بہت سی مغربی اصطلاحات کو محض لفظی مشابہت کی بنا پر اس کے پس منظر میں جائے بغیر قبول

کرلیا جاتا ہے، پھران کی اسلامی توجیہات بھی پیش کی جاتی ہیں۔اس کی وجہ وہ معذرت خواہانہ ذہنیت ہے، جس نے فرض کرلیا ہے کہ مغرب کو ہر اعتبار سے تفوُّق حاصل ہے، چنانچہ یہ ذہنیت مغربی افکار کو چیلنج کرنے کی بجائے اسے مسلم معاشروں کے لیے قابلِ قبول بنا کر پیش کرتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ انسانی حقوق (ہیومن رائٹس) کو حقوق العباد کے مماثل سمجھ لیا گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ''انسانی حقوق'' (ہیومن رائٹس) ایک خاص ہیومینیٹی کے لیے فرض کیے گئے ہیں، ایسا انسان جو اپنی آزادی (الوہیت اور صمدیت، اپنی غرض، اور خواہش کی تکمیل) پر یقین رکھتا ہو۔اس کی مثال ''ٹرانس جینڈر ایکٹ'' کی ہے کہ اگر کوئی مرد اپنے آپ کو عورت کے روپ میں منتقل کرنا چاہتا ہے، یا کوئی عورت مرد بن کر رہنا چاہتی ہے تو اسے نہ صرف اس بات کی آزادی ہے، بلکہ اسے قانونی تحفظ دینا ریاست کی ذمہ داری ہے، اس لیے کہ یہ اس کا ذاتی فعل ہے اور اس کی خواہش کی تکمیل میں کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی، یعنی قدرت نے اسے اگر مرد پیدا کیا ہے اور وہ اپنی صنفی حیثیت پہ مطمئن نہیں ہے تو وہ سرکاری کاغذات میں اپنی جنس تبدیل کرا کے عورت بن سکتا ہے۔عورت مردوں والا لباس پہن کر گھومے پھرے یا مرد عورتوں کا لباس پہنے، انہیں ایسا کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔یہ اس کا رائٹ (حق) ہے، اس کی بنیاد مغرب کا وہ عقیدہ ہے جسے Freedom آزادی کہا جاتا ہے۔

حقوق العباد: فرض کی ادائیگی اور احساسِ ذمہ داری کو اجاگر کرتے ہیں، جبکہ حقوقِ انسانی کا فلسفہ دوسرے سے اپنا حق چھین لینے اور اپنی غرض پوری کرنے کا نام ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کی صورت میں انسانوں میں محبت ورفاقت کے جذبات اُبھرتے ہیں؛ جبکہ ثانی الذکر (ہیومن رائٹس پر پریکٹس) کی صورت میں حرص، حسد، رقابت، غصب اور خودغرضی جیسے امراضِ خبیثہ جنم لیتے ہیں۔

اہلِ مغرب/مغربی مفکرین کی طرف سے فراہم کردہ انسانی حقوق کا فریم ورک افراد اور معاشروں کو حقوق کی سیاست کا ایک ایسا تباہ کن ہتھیار دیتا ہے جو انہیں حسد، غضب اور شہوت کا پیکر بنا دیتا ہے۔حقوق کی سیاست کا مطلب دوسرے سے اپنا حق چھین لینا ہے۔سرمایہ دارانہ جمہوری معاشروں میں حقوق کی ادائیگی کی بجائے حقوق کے حصول پر زور ہوتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے تنظیمیں، پارٹیاں قائم ہوتی ہیں۔یہ پارٹیاں وطنیت، قومیت، علاقائیت، مذہبیت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں، چونکہ سب کے ہاں حقوق کا مفہوم جدا جدا ہوتا ہے، اس لیے سب اپنے من چاہے حقوق حاصل کرنے کے لیے سرگرم ہوتے ہیں، مثلاً: عورتیں سمجھتی ہیں کہ انہیں برابری کے حقوق ملنے چاہئیں تو اس کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔مزدور اپنی یونینز بنا کر حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، تاکہ انہیں اپنی من چاہی اُجرتیں مل سکیں۔قوم

پرست قومیت کے نام پر پارٹیاں بنا کر اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

مزعومہ انسانی حقوق کا فلسفہ کتاب اللہ کی تعلیم: ''یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' کا رَد ہے۔ اسلام حقوق چھیننے کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ فرد میں اس ذمہ داری کا احساس اُجاگر کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق ادا کرے۔

اسلامی امارت وحکومت کا حاکم اس رویے کا حامل ہوتا ہے کہ بقول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ''اگر دریائے فرات کے کنارے پہ بھی کوئی کتا پیاسا مر گیا تو مجھ سے اس کی پوچھ ہوگی۔'' دوسری طرف رعایا کا ہر فرد خیال کرتا ہے کہ مجھے اپنے امام اور حاکم کی اطاعت کرنی ہے۔

ماں باپ اپنی اولاد کو شفقت ومحبت اور پرورش سے نوازتے ہیں، جبکہ اولاد والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کے جذبے سے جھکے جاتی ہے۔ استاذ شاگرد کو تعلیم وتربیت سے نوازتا ہے اور شاگرد ادب واحترام کا رویہ اختیار کرتا ہے، یعنی یہاں دونوں جانب کچھ دینے کا جذبہ ہے، نہ کہ لینے اور چھیننے کا۔

الغرض یہ وہ اسباب وعلل ہیں جن کی بنیاد پر ہم ہیومن ازم (Humanism) اور ہیومن رائٹس (Human Rihts) کے رائج فلسفے کو الحاد کا سرچشمہ کہتے ہیں، بلکہ معلوم تاریخ میں جتنے کفریہ مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب میں بدترین کفر، بغاوت، طغیانی وسرکشی کے حامل اس جدید مذہب کو پاتے ہیں:

''اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔'' (الجاثیہ:۲۳)

''سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفسانی کو بنا رکھا ہے؟ اور خدائے تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے؟ اور خدائے تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟!۔''

آج مسلم معاشروں میں جو الحاد اور دہریت کی بادِ سموم چل رہی ہے، یہ اسی فلسفۂ ہیومن ازم کی پیدا کردہ ہے۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ جو افراد دینی تعلیمات چھوڑ کر فلسفۂ ہیومن ازم کو اپناتے ہیں، ان کا حال بتدریج پراگندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ آغاز شک اور ریب سے ہوتا ہے، پھر ترکِ فرائض وواجبات کی باری آتی ہے، بالآخر ہیومنسٹ وجودِ باری تعالیٰ کا ہی انکار کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فتنہ کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

اللّٰهم أرنا الحق حقّا و ارزقنا اتباعهٗ و أرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابهٗ